سری لنکا کے نسلی بحران میں مسلم عنصر

امیر علی☆

سری لنکا کے مسلمان مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن وہ دو گروپوں، مورز اور ملائے میں منقسم ہیں۔ مسلمان سری لنکا میں ۱۰ لاکھ کی تعداد میں کل آبادی کا سات فیصد ہیں۔ تاریخی لحاظ سے ان کا تعلق قدیم عرب تاجروں سے ہے جب وہ اسلام سے بھی پہلے تجارت کے لیے اکثر سری لنکا کا رخ کرتے تھے۔ اسلام کی آمد کے ساتھ اور اسلامی سلطنت کی توسیع سے عرب تجارتی سرگرمیوں نے سری لنکا میں مسلمانوں کی موجودگی کو استحکام بخشا۔ حال ہی میں دریافت ہونے والے آثار قدیمہ اور تاریخی ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ سری لنکا کے مسلمان زمین سے تعلق کے ناطے اتنے ہی قدیم ہیں جتنے کہ سنہالی اور تامل باشندے۔

یہ بجا ہے کہ شروع کے سری لنکن مسلمان یا تو عرب تھے یا ایرانی، لیکن وہ مسلمان جو وہاں بطور ملاح، سیاح اور تاجر پہنچے، چاہے اپنی جائے پیدائش سے براہ راست یا سابق نو آبادیوں لکھش دیپ یا تامل ناڈو سے آئے تھے، اپنے خاندان کے افراد کو اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔ انہوں نے اکثر نچلی ذات کے سنہالی یا تامل آبادی سے اپنی بیویوں کا انتخاب کیا اور انہیں مسلمان بنایا۔ ملائے مسلمانوں کی تاریخ البتہ اس عمومیت میں استثنیٰ کی حیثیت رکھتی ہے۔ پندرہویں صدی کے بعد پرتگیزیوں کے بحری بیڑے کے بحر ہند میں غلبے کے نتیجے میں عرب اور ایرانی مسلمانوں کی آمد ختم ہو گئی۔ اس کی بجائے سری لنکا کے مسلمانوں کو ہندوستانی ساحل سے آنے والے مسلمانوں سے تقویت حاصل ہوئی۔ جنوبی ہندوستان کے مسلمان، جو زیادہ تر تامل اور نسلی اعتبار سے ڈریوڈین (سیاہ رنگت کے جنوبی ہندوستان کے لوگ) تھے، نئی لہر میں غالب اکثریت میں تھے۔ ان میں سے کچھ اپنے ساتھ اپنے بیویوں کو بھی لائے، لیکن اکثر نے عرب پیش روؤں کی طرح مقامی خواتین کا نئی ازواج کے طور پر انتخاب کیا۔ اسلامی شریعہ کے مطابق انہیں بیک وقت دو بیویاں رکھنے کا اختیار تھا۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس وقت دنیا کے اس خطے میں تامل زبان رابطے کی زبان کے طور پر مروج تھی اور اس سے یہ وضاحت

☆Ameer Ali, "The Muslim Factor in Sri Lankan Ethnic Crisis," *Journal of Muslim Minority Affairs*, 17:2 (1997), 253-267 (تلخیص: سجاول خان رانجھا)

بھی ہوتی ہے کہ سری لنکا کے مسلمانوں کی اکثریت عربی، فارسی یا سنہالی کے بجائے مادری زبان کے طور پر تامل کیوں بولتی ہے۔

مسلمانوں کی ہر جگہ موجودگی کے اثرات

اگرچہ مسلمان سری لنکا میں تاملوں کے بعد دوسری بڑی اکثریت ہیں، ثقافتی اختلاط اور ان کی ہر جگہ موجودگی ملک کی نسلی خطوط پر جغرافیائی لحاظ سے تقسیم کو اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ بناتی ہے جتنا کہ یہ مطبوعہ مواد سے ظاہر ہوتی ہے۔ سنہالیوں اور تاملوں کے برعکس مسلمان روایتی طور پر دو زبانیں بولنے والے لوگ ہیں۔ جبکہ سنہالیوں کی اکثریت صرف سنہالی زبان بولتی ہے اور تاملوں کی اکثریت تامل زبان میں اظہار خیال کرتی ہے۔ مسلمانوں نے اپنی ہر جگہ موجودگی اور اپنے تجارتی مقاصد کے لیے دونوں زبانوں میں بولنے کی صلاحیت حاصل کر رکھی ہے۔ تاہم مسلم اکثریت کی مادری زبان تامل ہے۔ اگرچہ حالیہ دنوں میں ان میں تبدیلی کے آثار دیکھنے کو ملتے ہیں۔ زبان کے فائدے نے بدقسمتی سے مسلمانوں کو تاملوں اور سنہالیوں، دونوں کی نظر میں متنازعہ بنادیا ہے۔

یہ صورتحال اس وقت دیکھنے کو ملی، جب پچاس کی دہائی میں سنہالی زبان کا بل پارلیمنٹ میں پیش ہوا اور جب ساٹھ کی دہائی میں مسلمانوں کے بچوں کے لیے سنہالہ میڈیم سکول کھولے گئے۔ سنہالہ بل میں بنیادی طور پر سنہالہ زبان کو ملک کی سرکاری زبان قرار دیا گیا تھا۔ شمال اور مشرق میں تمام تامل آبادی نے وفاقی جماعت کی قیادت میں بل کے خلاف بغاوت کر دی۔ احتجاجی ریلیاں منعقد ہوئیں، دھرنے دیئے گئے، حتیٰ کہ پر تشدد واقعات نے ۱۹۵۷ء میں گروہی فسادات کی شکل اختیار کر لی۔ مسلم آبادی نے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر بل کی حمایت کی اور ایک دم سے سنہالیوں کے حلیف بن گئے۔ یوں وہ بیٹھے بٹھائے تاملوں کے غم و غصے کے مستحق ٹھہرے۔ یہ پہلا دور تھا۔

دوسرے دور میں ساٹھ کی ابتدائی دہائی میں جب مسز بندرانائیکے کی زیر قیادت فریڈم پارٹی (SLFP) نے سنہالہ میڈیم سکول تامل اور مسلم علاقوں میں قائم کرنے کا فیصلہ کیا، تو اس وقت کے وزیر تعلیم بدیع الدین محمود، جو خود ایک مسلمان تھے اور پارٹی کے بانی ارکان میں سے تھے، نے بل کے خلاف خاموشی سے مہم چلائی اور اس کے خاتمے میں کامیاب رہے۔ ظاہر ہے، ان کے اس طرز عمل نے سنہالی سیاستدانوں کو ناراض کیا، جو مسلم آبادی کے بارے میں شک وشبے میں مبتلا ہو گئے تاہم اس سے تاملوں کے مسلم مخالف رویے میں نرمی پیدا ہوئی۔

مسلمان پورے ملک میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کی ایک تہائی تعداد نام نہاد

تامل روایتی وطن میں رہتی ہے۔ آبادی کے اس عنصر کو بعض اوقات سنہالی اور تامل سیاستدان، مسلمانوں کی تامل اور سنہالی میں تقسیم کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے البتہ زبان شناخت کی بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لیے مذہبی تعلق کسی بھی زبان کے رشتے سے زیادہ مضبوط ہے۔ وہ مذکورہ خطوط پر اپنی تقسیم کا تصور نہیں کرتے۔ اگرچہ بعض حالیہ تبدیلیاں مستقبل میں ان پر کچھ اس قسم کی تقسیم کو مسلط کر سکتی ہیں۔ سری لنکا میں سرکاری ذرائع دو گروپوں کی تقسیم کو تسلیم کرتے ہیں جیسے عیسائی سنہالی اور بدھ سنہالی، عیسائی تامل اور ہندو تامل۔ تاہم مسلمانوں میں ایسی تقسیم ابھی تک نہیں ہے۔ یہ مذہبی اتحاد زبان کے عنصر کے باوجود مسلم آبادی کی یکجائی کا تحفظ کرتا ہے۔

چنانچہ ایک علیحدہ نسلی شناخت کا تصور ہر کہیں موجود ہے۔ آبادی کے تناسب اور مذہبی اتحاد نے مسلم آبادی کو جزیرہ کی نسلی سیاست میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں لا کھڑا کیا ہے۔ نتیجتاً مسلم آبادی نے معیار کے لحاظ سے نہ سہی تعداد کے لحاظ سے بالخصوص تعلیمی اور ثقافتی شعبے میں پیش رفت کی ہے۔ جیسے ایک الگ نصاب اور کیلنڈر کے ساتھ مسلمانوں کے لئے علیحدہ سکول، خالص مسلم ثقافتی پروگراموں کے لئے قومی نشریات کے اوقات، مسلمان مذہبی تہواروں کے لئے سرکاری چھٹیاں، مسلم ثقافتی امور کے لئے علیحدہ وزارت، سنہالی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو فراہم کی جاتے والی وہ مراعات ہیں جن کی دوسرے ایسے ممالک کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، جہاں مسلمان آبادی کا صرف سات فیصد ہوں۔ مسلم تعلیمی، ثقافتی اور اقتصادی فلاح کے نقطۂ نظر سے حاصل ہونے والے منافع کا تنقیدی جائزہ ابھی اسکالرز کی توجہ حاصل نہیں کر پایا۔ مسلمان اسکولوں کا انتظام، سکولوں کا معیار، تعلیم اور ریڈیو سے نشر ہونے والے غیر معیاری پروگرام اس بات کو اجاگر کرتے ہیں کہ زیادہ تر فوائد عارضی اور مصنوعی ہیں۔ جبری کردار، جو مذکورہ فوائد کا موجب ہے، معاشرے میں رواں خطرناک صورتحال کا باعث بھی ہے، بالخصوص ۱۹۸۳ء کے بعد سے جب تاملوں نے پرابکرم اور لبریشن ٹائیگرز آف تامل ایلام (LTTE) کی زیر قیادت آزادی کے لیے مسلح جدوجہد کا فیصلہ کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس صورتحال میں مسلمان کہاں کھڑے ہیں؟

مسلمانوں اور تاملوں کا مطالبہ آزادی

اس کے باوجود کہ مسلمانوں کی ایک تہائی تعداد تامل اضلاع میں رہائش پذیر ہے اور

زبان میں بھی ان کے ساتھ یکسانیت کی حامل ہے، مسلمان ملک کو نسلی خطوط پر تقسیم کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ اپنی تجارت اور صنعت و حرفت کے تاریخی تناظر میں مسلمانوں کی طرف سے ملک کو متحد رکھنے کی خواہش سمجھ میں آتی ہے کہ اس سے انہیں ایک بڑی مارکیٹ میسر آئی ہے، تاہم اقتصادی نقطۂ نظر سے ملک کی تقسیم کی مخالفت مسلمانوں کے لئے زیادہ دوررس نہیں ہے۔ اس کی وجہ اقتصادی پوزیشن میں وہ تبدیلی ہے، جو ساٹھ کی دہائی سے معاشرے میں روبہ عمل آئی ہے۔ اور یہ تبدیلی تجارت سے زراعت، مزدوری اور پیشہ ورانہ شعبوں میں منتقلی کی ہے۔ درآمد برآمد کے شعبے کی نج کاری، جائیداد، بینکنگ اور ٹرانسپورٹ کا شعبہ اور زمینی اصلاحات کے بل 'پیڈی' کے سوشلسٹ ایس ایل ایف پی حکومت کی طرف سے نفاذ نے مسلم شہری متوسط طبقے کے معاشی مفادات کو جام کر کے رکھ دیا اور ان کی نئی نسل کو مجبور کیا کہ وہ اپنے اقتصادی مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے نئے ذرائع تلاش کرے۔

مسلمانوں میں رجسٹرڈ کمپنیوں کی صورت میں جدید تجارتی تنظیم کے فقدان، نمود و نمائش اور خاندانی تنازعات نے معاشی زوال میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ نتیجتاً مسلم نوجوانوں کی خاصی تعداد نے اس وقت کے وزیر تعلیم بدیع الدین محمود کے مشورے پر تعلیم کی طرف رجوع کیا اور وہ ٹیچر بن گئے۔ بلا مبالغہ بدیع الدین کے دور میں ان کی وزارت مسلمانوں کے لیے دفتر روزگار بن گئی تھی۔

تاملوں کی مسلح جدوجہد کی ایک اور بڑی وجہ اس صدی کے آغاز کے وقت سے ان دو آبادیوں کے درمیان کشیدہ سیاسی تعلقات بھی ہیں۔ تامل سیاسی قیادت کی مسلم مخالفت کی ایک طویل تاریخ ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں ہیلون قانون ساز کونسل میں تامل ممبر پونم بالم رام ناتھن نے اس دلیل کی بنیاد پر مسلم آبادی کو کونسل کی ممبر شپ سے محروم کرنے کی کوشش کی کہ ان کی اپنی کوئی علیحدہ نسلی شناخت نہیں ہے۔ وہ اپنی اصل کے اعتبار سے تامل ہیں اور ان کے مفادات کا تحفظ تامل ممبر کر رہا ہے، جو کہ رام ناتھن ہے۔ یہ دعوی اس وقت کی مسلمان اشرافیہ کے لئے رد عمل کا باعث بنا اور انہوں نے جوابی دعوی کیا کہ مسلمان ایک علیحدہ شناخت کی حامل آبادی ہے وہ تامل یا سنہالی نسل سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ وہ عرب نسل کے مور ہیں۔

آزادی کے بعد روایتی تامل قیادت کی طرف سے مسلمانوں کے مفاد کو نظر انداز کرنے کا رویہ تاملوں کی نئی نسل کی نظروں سے اوجھل نہیں رہا۔ یہ نئی قیادت حکمت عملی میں جنگجو، رویے میں غیر مصالحانہ اور نظریے میں علیحدگی پسند ہے۔ ان میں تامل ٹائیگر (LTTE) جو تامل

تنظیموں میں فوجی اور مالی لحاظ سے مضبوط ترین ہے ، نے مسلمانوں کو اپنی تنظیم میں مدغم کرنے کے لئے کئی کوششیں کیں اور انہیں سنہالی بدھ جنگجوانہ وطن پرستی سے خبردار کرتے ہوئے اس پر بندباندھنے کے لیے مشترکہ اقدام کی ضرورت پر زور دیا۔ ان کے دلائل آزادی کے بعد سری لنکا کے ترقیاتی ماڈل پر مبنی تھے۔ جن میں اقلیتوں کے معاملے میں تعصب سے کام لیا گیا تھا۔ تامل ٹائیگر کے تھنک ٹینک نے حقائق اور اعداد و شمار کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ حکومت کی کالونی اسکیم سے مسلمان زرعی زمینوں ، تعصب انگیز تجارتی پالیسیوں کے باعث تجارتی مفادات سے محروم ہوئے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ساٹھ اور ستر کی متعین سمتوں کی حامل ترقی نے دوسری آبادیوں کے مقابلے میں مسلمانوں پر زیادہ شدید ضرب لگائی۔ جس کے نتیجے میں مسلم نوجوانوں کی ایک تعداد تامل جنگجوؤں کے فوجی نظریے کی قائل اور تامل ٹائیگر کے فوجی شعبے میں شامل ہوگئی۔ تامل ٹائیگر نے متعدد مسلمان گاؤں اور قصبوں میں اپنی تنظیم کی شاخیں کھولیں اور اس نے بتدریج مسلمان آبادی میں مقبولیت حاصل کرنا شروع کی۔

اس رجحان کو جھٹکا اس وقت لگا، جب اپریل ۱۹۸۵ء میں تامل مسلم فسادات پھوٹ پڑے۔ اس کا باعث شمال کے ایک گاؤں میں ہونے والا ایک واقعہ ہے جس میں تین مسلمانوں کو تامل جنگجوؤں نے مسجد میں قتل کردیا۔ اس وقت برسر اقتدار متحدہ قومی جماعت (یو این پی) نے واقعہ کو زیادہ سے زیادہ استعمال کیا اور تامل ٹائیگرز اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ کو مستقل حیثیت دینے کے لئے یہ ذریعہ استعمال کیا۔ ۱۹۸۵ء کے فسادات کے بعد تامل ٹائیگرز بھی مسلمانوں کے بارے میں اپنے صبر سے محروم ہو چکے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں مصالحانہ اپروچ کو ترک کردیا ہے۔ انہوں نے شمال مشرقی صوبے پولوناروا (Polonnaruwa) میں اور مشرقی صوبوں میں کتن کڈی (Kattan kudy) اور اراوڑ (Eravùr) میں بے گناہ مسلمانوں کے خلاف بدترین مظالم کا ارتکاب کیا۔ ہزاروں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو ان کے گھروں، کھیتوں، بازاروں اور مساجد میں تہ تیغ کیا۔ شمال میں جافنا کی تمام مسلمان آبادی کو بندوق کی نالی پر ان کے گھروں سے نکالا اور انہیں راتوں رات پناہ گزین کیمپوں میں پہنچا دیا گیا۔ یہ مسلمان اپنے گھروں کو لوٹنے کی امید سے محروم ابھی تک کیمپوں میں رہ رہے ہیں۔ گویا تامل ٹائیگرز نے تامل اضلاع میں نسلی صفائی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اپنی اس غلط حکمت عملی کے باعث تامل، مسلمانوں میں کسی بھی قسم کی ہمدردی سے محروم ہو چکے ہیں اور تاملوں اور مسلمانوں میں اس وقت خلیج اپنے عروج پر ہے۔

مسلمان اور سنہالی

مسلمانوں نے اکثر قومی امور پر سنہالی اکثریت کا ساتھ دیا ہے۔ اس اتحاد کے بل بوتے پر مسلمان آبادی سنہالی حکومتوں سے غیر تحریری سہولتیں اور استحقاق حاصل کرنے کی پوزیشن میں رہی ہے۔ دوسری اقلیت ہونے کے باعث اس رویے کے پارلیمانی نظام میں اپنے ہی سیاسی اور معاشی مضمرات ہیں۔ تاہم نسلی سیاست کے تقریباً پچاس سال کے عرصے میں دو بڑی سیاسی جماعتوں یو این پی اور ایس ایل ایف پی نے محسوس کیا ہے کہ قومی امن اور سلامتی کے بغیر ملک مقابلے کی عالمی معیشت میں ترقی نہیں کر سکتا۔ دونوں جماعتوں پر عالمی دباؤ بھی ہے کہ وہ جنگ کو ختم کریں اور تاملوں کے ساتھ مصالحت کی تلاش میں یہ خطرہ بھی پنہاں ہے کہ اس میں مسلمانوں کے مفاد کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

اگرچہ سری لنکا میں سنہالیوں اور مسلمانوں کے مابین تعلقات اکثر دوستانہ رہے ہیں، تاہم ایسے اوقات بھی آئے ہیں جب سنہالیوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی حقیقی نفرت کے اظہار کو چھپایا نہیں ہے۔ ۱۹۱۵ء کے نسلی فسادات اس ملک میں پہلا واقعہ ہے جب مسلمانوں کے خلاف سنہالیوں کی دشمنی کا کھلم کھلا اظہار ہوا۔ اس وقت بدھ مت کے احیا کا سرکردہ راہنما انگریکا دھرم اپالا مسلمانوں کی ملک میں موجودگی کے خلاف پیش پیش تھا۔ اس کے نظر میں مسلمان 'اجنبی' اور 'غیر ملکی' تھے اور اس قابل تھے کہ انہیں واپس عرب بھیج دیا جاتا۔ اگرچہ دھرم اپالا مر چکا ہے، لیکن سنہالی مسلم بدامنی میں اس کے جذبات کی گونج اب بھی سنائی دیتی ہے۔

متوسط طبقے کے تاجر سنہالیوں میں یہ تصور موجود ہے کہ تجارت میں مسلم برتری کو ختم ہونا چاہئے۔ سنہالی بوڑوا کی روحانی اور دنیوی شاخیں مذکورہ خیال میں یکجا ہیں اور اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کے خلاف زیادہ تر گروہی تشدد کی وجہ معاشی ہے۔ ستر کی دہائی میں سنہالیوں کے متشدد ہجوم نے پیناڈرا، گیلی، ماہی ہگانہ، پٹالم، کلوترا گمپولا اور بیرو ویلہ میں مسلمانوں کے تجارتی مراکز کو لوٹا اور انہیں آگ لگائی۔ اسی اور نوے کی دہائی میں ایسے واقعات کم ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ سخت گیر سنہالی عناصر کی سوچ میں کسی بنیادی تبدیلی کا پہلو نہیں، بلکہ تاملوں کے ساتھ لڑائی میں ان کا موجودہ الجھاؤ ہے۔

مسلمانوں نے سنہالی حکومت کے تعاون سے تعلیمی اور ثقافتی شعبوں میں کئی کامیابیاں حاصل کی ہیں، لیکن ان کامیابیوں کی انہیں دوسرے شعبوں میں بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑی ہے۔ جیسے حکومت کی کالونی سکیم کے تحت مشرقی صوبے میں مسلمانوں کو ایک بڑے رقبے میں

زرعی زمین سے سنہالیوں کے حق میں دستبردار ہونا پڑا ہے۔ کسی دور میں دارالحکومت کولمبو مسلمانوں کا تجارتی مرکز تھا، لیکن یہ اب نہیں ہے۔ یہاں سے مسلمان باقاعدگی سے دو ممبر پارلیمنٹ منتخب کر لیتے تھے۔ لیکن وزارت تعمیرات نے ستر کی دہائی اور اس کے بعد ریاستی پالیسی کے تحت زیادہ سے زیادہ سنہالیوں کو شہر میں آباد کیا ہے۔ اگرچہ حکومت نے مسلمانوں کی ثقافتی سرگرمیوں اور مذہبی بنیادوں پر تعلیم کے فروغ کے لیے مسلمانوں کا ساتھ دیا ہے لیکن اس نے ان کی معاشی اور سیاسی اہمیت کو گھٹانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ مقامی مسلم قیادت، جس نے حقوق سے زیادہ مراعات حاصل کرنے کو ترجیح دی، مذکورہ ناکامیوں کے خلاف کھلم کھلا احتجاج میں ناکام رہی۔ حتیٰ کہ بدیع الدین محمود جیسا کرشماتی رہنما، جو سری لنکا کے مسلمان اب تک پیدا کر سکے ہیں اور جو لڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، اقتصادی بدحالی کو روکنے میں ناکام رہا۔ محمود جو کچھ کر سکا، وہ مسلم اساتذہ اور منتظمین کا ایک ایسا ضمنی طبقہ تھا، جو پورے کا پورا اپنے شعبے میں موثر نہیں تھا۔

سری لنکا مسلم کانگریس کا احیا

سیاسی میدان میں سری لنکا کے ۱۹۷۸ء کے آئین میں متناسب نمائندگی کے تعارف نے مسلم سیاست کو ایک نئے موڑ سے دوچار کیا ہے، آئین میں متعارف پیچیدہ متناسب نمائندگی کے نظام نے ہر سرگرم سیاستدان کو نامزدگی کی فہرست میں جگہ پانے کے لیے کسی بھی سیاسی جماعت کے قدموں میں پھینک دیا۔ اگرچہ مسلمانوں نے اس وقت آئین کے خلاف احتجاج نہیں کیا، البتہ یہ خدشہ ظاہر کیا گیا کہ متناسب نمائندگی کے نئے نظام میں وہ سب سے زیادہ گھاٹے میں رہیں گے۔ مشرقی صوبے کے ایک نوجوان مسلم وکیل ایم ایچ ایم اشرف کے خیال میں مسلمانوں کے لئے بہترین آپشن یہ ہے کہ وہ خود اپنی پارٹی کی تشکیل کریں۔ ان کے سیاسی خیالات کو دو دیگر مسلم شخصیات ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج ایم اے ایم حسین اور سری لنکا کے سب سے معروف مسلم اسکالر عبدالقادر لیب کے خیالات سے بھی صورت گری ملی۔ حسین اور لیب کے تعاون سے نوجوان اشرف اور ان کے چند دوستوں نے ۸۰ء کی دہائی کے اوائل میں سری لنکا مسلم کانگریس (SLMC) کی بنیاد رکھی، جو ۱۹۸۶ء میں باقاعدہ پارٹی کے طور پر رجسٹر ہوئی۔ اپریل ۱۹۸۵ء میں مشرقی صوبے میں تامل مسلم نسلی فسادات بھی مذکورہ پارٹی کے قیام کا اضافی سبب بنے۔

اگرچہ اشرف کا دعویٰ ہے کہ ان کی جماعت سری لنکا کے تمام مسلمانوں کی نمائندگی

کرتی ہے، لیکن حقیقت میں ایس ایل ایم سی ایک علاقائی جماعت ہے جو مشرقی صوبے کے مسلمانوں کی حمایت پر ہی زیادہ انحصار کرتی ہے۔ تاہم ایس ایل ایم سی کا قیام قومی سطح کی مسلم قیادت کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے، جو کولمبو اور اس کے مضافاتی علاقوں سے تعلق رکھتی ہے اور جو مسلمانوں کے لیے ایک آزاد سیاسی جماعت کی بالکل حمایت نہیں کرتی۔

اقلیتوں کی سیاسی قوت کو کم کرنے کے لیے آئین میں ۱۹۷۸ء کی تبدیلیوں کے باوجود ایس ایل ایف پی کے لئے ۱۹۹۴ء کے عام انتخابات میں مسلمانوں کی حمایت ناگزیر تھی۔ مسلمانوں کی حمایت کے بغیر چندریکا کمارا ٹنگا کی موجودہ حکومت اقتدار میں نہیں آسکتی تھی۔ اس حمایت کے بدلے میں اشرف کو نئی حکومت میں جہاز رانی اور آبادکاری کے امور کا وزیر مقرر کیا گیا۔ ان کی تقرری سے کابینہ میں مسلمانوں کی وزارتوں کی تعداد بڑھ کر تین ہوگئی۔ ان تین میں سے دو کا تعلق برسر اقتدار سنہالی پارٹی ایس ایل ایف پی سے ہے۔ یہ وہ بات ہے جو ایس ایل ایف پی کے حمایتی بدھ ہضم نہیں کرپائے۔

ایس ایل ایم سی کے احیا نے تامل جماعتوں بالخصوص تامل ٹائیگرز کے لئے بھی مسائل کھڑے کئے ہیں۔ ایل ٹی ٹی کے ترجمانوں کے حالیہ بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں تامل مسلم تعلقات کو نقصان پہنچانے کا دکھ ہے۔ نقصان کا ازالہ مشکل دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت ایس ایل ایم سی تاملوں اور سنہالیوں کی تقسیم کے درمیان بہتر پوزیشن میں کھڑی ہے۔ یہ تعطل کی ایسی صورتحال ہے، جس کے فوری حل کا کوئی امکان نہیں۔ ایس ایل ایم سی نے نسلی بحران کے کسی بھی مستقل حل کے لئے مسلم عنصر کو سرفہرست لا کھڑا کیا ہے

نتیجہ

سری لنکا کے نسلی سوال میں مسلم عنصر ایک ناگزیر پہلو ہے۔ اگر مسئلے کا مستقل حل پیش نظر ہے تو نہ حکومت اور نہ ہی لڑاکا تامل دھڑے مسلمانوں کو نظر انداز کرنے کے متحمل ہوسکتے ہیں۔ اس وقت کنفیوژن تامل کی تعریف پر ہے۔ مسلمان تامل زبان، روایات اور ثقافت سے قربت کے باوجود خود کو تامل آبادی کے ساتھ متشخص کرنے سے انکاری ہیں۔ بڑے تامل گروپ بالخصوص تامل جماعتوں کے عسکری شعبے مسلم آبادی کو ففتھ کالمسٹ خیال کرتے ہیں۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایل ٹی ٹی ای مسلمانوں کے ساتھ سیاسی مکالمے کے سلسلے میں اتنی زیادہ ضد پر کیوں اڑی ہوئی ہے۔ حکومت پسند کرتی ہے کہ مسلمان اس کے طرفدار رہیں۔ کیونکہ اقلیتوں کو تقسیم کرکے ان پر حکومت کرنا آسان ہوتا ہے اس

عرصے میں مسلم آبادی کسی مربوط سیاسی منصوبہ بندی یا حکمت عملی کے بغیر تقسیم کے خطرے سے دوچار ہے۔ ایس ایل ایم سی کی پالیسیاں اس تفریق کو مزید گہرا کر رہی ہیں۔

سری لنکا کا مسئلہ محض سنہالی تامل مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ اکثریت اور اقلیت کا مسئلہ ہے۔ جافنا کی قیادت میں تاملوں نے تامل نسلی مسئلہ بنا کر مسئلے کو اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔ اگر بدھ جنگجوانہ وطن پرستی کسی روک ٹوک کے بغیر جاری رہتی ہے تو نہ شمال اور مشرق کے تامل، یا بالائی ملک میں ان کے بھائی اور نہ مسلمان ہی سری لنکا میں بقائے باہمی کے اصول کے تحت پھل پھول سکتے ہیں۔ مسلم آبادی کے نقطۂ نظر سے وہ تاملوں کے ساتھ اتحاد کے بغیر بدھ انتہا پسندی کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور تامل بالخصوص شمال سے اس کی قیادت کو نام نہاد تامل روایتی وطن میں ہر شخص پر واضح کر دینا چاہئے کہ نسلی حل کا مطلب جافنا توسیع پسندی نہیں ہے۔ اور آخر میں یہ کہ بدھ انتہا پسندی کو کنٹرول کئے بغیر حکومت اور اس کے سنہالی حمایتی اس بحران کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

سابق صدر جے آر جے وردھنا سری لنکا کو اقتصادی لحاظ سے ایک اور سنگاپور بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ یہ سمجھنے میں ناکام ہیں کہ سنگاپور نے چینی انتہا پسندانہ وطن پرستی کو کس طرح فاصلے پر رکھ کر اپنے نسلی مسئلے کو حل کیا۔ اس وقت ملائیشیا اور انڈونیشیا اپنی مادی ترقی کے لئے یہی کچھ کر رہے ہیں۔ سنہالی بوڑوا کب سیکھے گا؟